23

مغربی ممالک میں اب اسلام کی فوقیت اور برتری کو تسلیم کرنے کا رجحان سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے

(فرمودہ 9 ستمبر 1955ء بمقام احمدیہ ہال کراچی)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

" میں آج کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس بیماری کا اثر مجھ پر زیادہ تر یہ ہے کہ میں شور بالکل برداشت نہیں کرسکتا۔ ذرا بھی شور ہو تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص میرے سر پر ہتھوڑے مار رہا ہے۔ چنانچہ جس دن ہم آئے ہیں نئے مکان میں بعض نقائص کی وجہ سے اِس قدر شور تھا کہ جب ہم ناشتہ کرنے بیٹھے اور میرے ساتھ بیٹھنے والے میری بیویاں اور بچے ہی تھے تو اگر کوئی پرچ میں پیالی بھی رکھتا ہو یا چمچہ رکھتا ہو تو مجھے یوں معلوم ہوتا کہ ڈھول بج رہے ہیں۔ یورپ میں بھی یہ تکلیف مجھے رہی ہے جس سے بچنے کے لیے میں اکثر اوقات اپنے کانوں میں رُوئی ڈال لیا کرتا تھا۔

اِس بیماری کا دوسرا اثر میری آنکھوں پر پڑا ہے۔ جس میں پہلے سے تو بہت افاقہ ہے مگر پھر بھی ابھی کمزوری باقی ہے۔ جب میں اُن دوستوں کو دیکھتا ہوں جن کو میں پہچانتا تھا اور اب بھی پہچانتا ہوں تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی شکلوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ڈاکٹروں نے دوبارہ

معائنہ میں بتایا ہے کہ پہلے سے نظر ٹھیک ہو رہی ہے لیکن پھر بھی دیر تک میں ایک جگہ پر نظر نہیں ڈال سکتا۔ اس سے دماغ میں پریشانی پیدا ہو جاتی اور مجھے کوفت محسوس ہونے لگتی ہے۔ بہر حال ڈاکٹر کی رائے یہ ہے کہ آنکھوں کے کچھ عرصہ استعمال کے بعد یہ نقائص کم ہونے لگیں گے۔

اِسی طرح گلے اور کان کا معائنہ کرایا گیا تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ جہاں تک طبی معائنہ کا تعلق ہے کان اور گلے میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ یہ صرف فنکشنل (Functional) تکلیف ہے۔ یعنی ان اعضاء کے طریق کار کو بیماری کی وجہ سے نقصان پہنچا ہے اس لئے اب نئے سرے سے آپ کو ہر چیز کی عادت ڈالنی پڑے گی۔

آج میں سب سے پہلے اپنے اُن تجارب سے جو مجھے یورپ کے سفر میں ہوئے ہیں ایک بات کا خصوصیت سے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غالباً 1904ء یا 1905ء میں کہا تھا کہ

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج [1]

یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا کے کسی انسان کے واہمہ اور خیال میں بھی تبلیغِ اسلام نہیں تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اُس وقت کچھ اشتہار لکھ کر بھیجے اور بعض نے وہ اشتہار پڑھے بھی۔ لیکن اس سے زیادہ اُس وقت کوئی تبلیغ نہیں تھی۔ بعد میں ہمارے مشن بیرونی ممالک میں قائم ہوئے اور کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ مگر یہ بات بھی ایسی ہی تھی جیسے پہاڑ کھودنے کے لیے ہتھوڑا مارا جاتا ہے۔ ہتھوڑا مارنے سے دو تین انچ پہاڑ تو کُھد سکتا ہے مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہاڑ کھودا گیا ہے۔ بے شک ہم اس بات پر خوش ہو سکتے ہیں کہ پہاڑ کھودنے کا کام شروع ہو گیا ہے مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کھودا بھی گیا ہے۔ لیکن اس سفر میں مَیں نے اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب نشان دیکھا کہ یورپ کے بعض اچھے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں وہی باتیں جو پہلے اسلام کے خلاف سمجھی جاتی تھیں اب اس کی صداقت کا ثبوت سمجھی جانے لگی ہیں۔ چنانچہ میرے لندن پہنچنے سے چند دن پہلے ہی وہاں کا ایک مشہور میوزیشن (Musician) جو لندن کے ایک اہم ترین اوپیرا (OPERA) میں کام کرتا اور پیانو وغیرہ بجاتا ہے اُس کے دل میں اسلام کی رغبت پیدا ہوئی۔ اُس کی ماہوار تنخواہ 105 پاؤنڈ ہے۔ گویا آجکل کے ریٹ کے لحاظ سے قریباً چودہ سو روپیہ

لیکن اِس کے علاوہ وہ زائد روپیہ بھی کما لیتا ہے۔ اُس کی بیوی نے بتایا کہ وہ قریباً سترہ اٹھارہ سو پاؤنڈ سالانہ کماتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ اس کی دو ہزار کے قریب ماہوار آمد ہے۔ مجھے ایک دفعہ لندن میں بڑے بڑے تاجر ملنے کے لیے آئے۔ میں نے اُن کے سامنے اُس کا نام لیا تو ایک شخص کی بیوی نے فوراً پہچان لیا اور کہا کہ ہاں میں اُس کو جانتی ہوں۔ اُس نے بڑی سی داڑھی رکھی ہوئی ہے۔ اِتنی بڑی داڑھی کہ آپ لوگ جو میرے سامنے بیٹھے ہیں آپ میں سے شاید ایک فیصدی کی بھی اُتنی بڑی داڑھی نہیں۔ مجھے جب وہ ملا تو کہنے لگا کہ میرے دوست جب مجھے دیکھتے ہیں تو مجھے پاگل کہتے ہیں۔ میں نے کہا اگر آپ کی داڑھی نہ ہوتی تو میں آپ کو پاگل سمجھتا۔ اُن کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ داڑھی رکھنے والا پاگل ہے اور میرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ داڑھی نہ رکھنے والا پاگل ہے۔ جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے وہ داڑھی رکھنے والوں کو پاگل سمجھتے ہیں اور جو داڑھی رکھتے ہیں وہ داڑھی نہ رکھنے والوں کو پاگل سمجھتے ہیں۔ بہرحال جب تک دنیا میں اختلاف رہے گا لوگوں کے یہ فتوے جاری رہیں گے۔

مجھے وہاں کے مبلغین نے بتایا ہے کہ اس شخص کی اسلام کی طرف رغبت کی ایک عجیب وجہ ہے جو عام وجوہات کے بالکل اُلٹ ہے اور اس سے پتا لگتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ان کے دماغوں میں تغیر پیدا کر رہا ہے۔ کوئی زمانہ ایسا تھا کہ اسلام کے رستہ میں سب سے زیادہ روک تعدِ ازدواج کی روک سمجھی جاتی تھی۔ یورپ کے لوگ اصرار کرتے تھے کہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنا سخت ظلم ہے۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ وہ پہلے بعض اَور مسلمانوں کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ اسلام کا تعدِ ازدواج کے متعلق کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ توبہ توبہ! یہ بات تو دشمنوں کی طرف سے سخت بگاڑ کر پیش کی جاتی ہے اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں۔ یہ تو خاص خاص مجبوریوں اور شرطوں اور قیدوں کے ساتھ اجازت دی گئی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ انہوں نے جب مجھے یہ جواب دیا تو مَیں جھٹ کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ مجھے تو اسلام میں یہی ایک خوبی نظر آئی تھی اور تم کہتے ہو کہ اس کے ساتھ کئی قسم کی شرطیں اور قیدیں ہیں۔ میں تو وہاں جانا چاہتا ہوں کہ جہاں مجھے سیدھی طرح بتایا جائے کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ ہمارے پاس آیا اور اُس نے پوچھا کہ اِس بارہ میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ ہمارے مبلغین نے بتایا کہ اسلام اس کی اجازت

دیتا ہے۔ مگر اس نے ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ تم انصاف سے کام لو اور ہر بیوی کا حق ادا کرو۔ وہ کہنے لگا یہ بات درست ہے اور میری عقل اسے تسلیم کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یورپ نے اس تعلیم کو چھوڑ کر بہت کچھ کھویا ہے اور ہم نے اپنے اخلاق بگاڑ لئے ہیں اس لئے اب میں آپ کے پاس ہی آیا کروں گا۔ چنانچہ وہ مجھے بھی ملا اور اپنے بیوی اور بچوں کو بھی ہمارے گھر لایا۔ پھر اُس نے مجھ سے جو باتیں کیں اُن سے پتا لگتا ہے کہ اُس نے کس طرح اسلامی تعلیم پر گہرا غور کیا ہے۔ اُس نے قرآن کریم کا انگریزی دیباچہ نکالا اور کہا کہ آپ نے اس کتاب میں ایک بات ایسی لکھی ہے جس سے میرے دل میں شبہ پیدا ہوا ہے۔ اُس نے کہا میرا طریق یہ ہے کہ میں کتاب پڑھتا جاتا ہوں اور جو شبہات میرے دل میں پیدا ہوں اُن کو میں نوٹ کرتا جاتا ہوں۔ اِس کتاب کے مطالعہ کے دوران میں میرے دل میں ایک شبہ پیدا ہوا ہے۔ میں نے کہا فرمائیے وہ کیا شبہ ہے؟ کہنے لگا اِس کتاب میں آپ نے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک دفعہ مسجد میں عبادت کے لیے بیٹھے تھے کہ آپ کی ایک بیوی آپ سے ملنے کے لیے آگئیں۔ چونکہ واپسی کے وقت رات ہوگئی تھی اس لئے آپ اپنی بیوی کو گھر پہنچانے کے لیے ساتھ چل پڑے۔ راستہ میں آپ کو ایک صحابی ملا۔ اُسے دیکھ کر آپ کو شبہ پڑا کہ کہیں اُسے ٹھوکر نہ لگ جائے اور یہ خیال نہ کرے کہ میں کسی اَور کو ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنی بیوی کے منہ پر سے نقاب اٹھا دی اور اُسے کہا کہ دیکھ لو یہ میری بیوی ہے[2]۔

جب میں نے یہ واقعہ پڑھا تو مجھے سخت اعتراض پیدا ہوا اور میں نے کہا کہ پردہ تو اسلام کے نہایت اعلیٰ درجہ کے حکموں میں سے ایک حکم ہے اور یہ مذہب اور پاکیزگی کی جان ہے۔ اگر کوئی بدبخت شخص ایسا تھا جس کے دل میں رسول کریم ﷺ کی پچاس ساٹھ سالہ زندگی کو دیکھ کر بھی شبہ پیدا ہوا تو وہ بے شک جہنم میں جاتا، اُس کی کیا حیثیت تھی کہ محض اُس کا ایمان بچانے کے لیے اپنی ایک بیوی کے منہ پر سے پردہ اٹھا دیا جاتا۔ جس شخص نے اتنی مدت دراز تک رسول کریم ﷺ کی خدمات کو دیکھا، آپ کی قربانیوں کو دیکھا، آپ کے ایمان کو دیکھا، آپ کے اخلاص کو دیکھا، آپؐ کی محبتِ الٰہی کو دیکھا اور پھر بھی اُس کے دل میں شبہ پیدا ہوا، وہ کمبخت اگر مرتا تھا تو بے شک مرتا۔ اُس کے لیے کیا ضرورت تھی کہ اپنی کسی بیوی کے منہ پر سے نقاب اٹھا دیا جاتا۔

چونکہ مجھ پر ابھی بیماری کا نیا نیا حملہ ہوا تھا اس لیے میرے دل میں اِس سوال سے تھوڑی سی گھبراہٹ پیدا ہوئی اور میں نے سوچا کہ یہ ایک نیا سوال ہے۔ اور آدمی بڑا پڑھا ہوا اور زیرک ہے معلوم نہیں میں اِس کا جواب بھی دے سکوں گا یا نہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی میرے ساتھ یہ سنت ہے کہ اگر کسی سوال کا جواب مجھے نہ آتا ہو تو اِدھر سوال کرنے والا سوال کرتا ہے اور اُدھر بجلی کی طرح میرے دل میں اُس کا جواب آجاتا ہے۔ مگر چونکہ میں اُس وقت بیمار تھا اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ الٰہی! میں تو بیمار ہوں۔ تُو تو بیمار نہیں۔ تُو مجھے اِس سوال کا جواب سمجھا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فوراً مجھے جواب سمجھا دیا جس سے اُس کی زبان بند ہوگئی۔ میں نے کہا کہ آخر آپ کو یہی اعتراض ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹی سی چیز کے لیے بڑی چیز کو کیوں قربان کر دیا؟ بے شک اُس کا ایمان بھی ایک قیمتی چیز تھی۔ مگر بہرحال وہ ایک کمزور انسان کا ایمان تھا کیونکہ اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزگی پر شک کیا۔ اُس شخص کے ایمان کو بچانے کے لیے اپنی ایک بیوی کا پردہ اٹھا دینا ایک بڑی چیز کو چھوٹی چیز کے لیے قربان کر دینا ہے۔ کہنے لگا ہاں میرے دل میں یہی شبہ پیدا ہوا ہے۔ میں نے کہا تو پھر اِس کے معنے یہ ہیں کہ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز کے لیے قربان کر دینا چاہیے۔ اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر اس مخصوص واقعہ کو دیکھا جائے تو اس میں اُس شخص کا ایمان بچانا بڑا کام تھا اور بیوی کے منہ پر سے نقاب اُلٹ دینا چھوٹی بات تھی۔ کہنے لگا یہ کس طرح؟ میں نے کہا یہ تو تم جانتے ہو کہ پردہ کا حکم پہلی شریعتوں میں نہیں تھا۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ پردہ کا حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری سالوں میں نازل ہوا ہے۔ یعنی مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد پردہ کا حکم نازل ہوا ہے۔ تیرہ سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور پردہ کا حکم نازل نہ ہوا۔ پھر مدینہ تشریف لائے تو وہاں بھی چار پانچ سال تک پردہ کا حکم نہیں اترا۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعویٰ نبوت کے بعد جو تئیس سالہ زندگی گزری ہے اُس میں سے سترہ اٹھارہ سال تک آپ کی بیویوں نے پردہ نہیں کیا۔ اور جب پردہ کا حکم مدینہ آنے کے بھی چار پانچ سال بعد نازل ہوا ہے تو تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بیوی کو ہر صحابی نے دیکھا ہوا تھا۔ اب بتاؤ کہ جس بیوی کو وہ سَو دفعہ پہلے دیکھ چکا تھا اگر ایک موقع پر اُس کا ایمان بچانے کے لیے آپؐ نے اپنی اُس بیوی کا نقاب اٹھا دیا تو

اِس میں حرج کیا ہوا۔ وہ آپ کی بیویوں کو جوانی کی حالت میں دیکھ چکا تھا اور اب تو وہ بڑی عمر کی ہو چکی تھیں۔ اس عمر میں اگر رسول کریم ﷺ نے اپنی کسی بیوی کے منہ سے نقاب الٹ دیا تو چاہے وہ کتنا ہی کمزور ایمان والا شخص ہو اُس کے ایمان کو بچانے کے لیے آپؐ کا نقاب الٹ دینا بالکل بے حقیقت بات تھی۔ کیونکہ اِس بیوی کو اُس نے جوانی کے دنوں میں بھی دیکھا ہوا تھا اور اب تو وہ بڑی عمر کی ہو چکی تھیں۔ جوانی میں سو دفعہ دیکھنے والے شخص کے سامنے اگر آپ نے بڑھاپے میں اپنی ایک بیوی کے منہ سے اُس کا ایمان بچانے کے لئے تھوڑی دیر کے لیے پردہ اٹھا دیا تو آپ نے بڑی چیز کو چھوٹی چیز پر قربان نہیں کیا بلکہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز کے لیے قربان کیا۔ اِس جواب سے وہ خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب میری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے۔ غور کرو کہ یہ کتنا بڑا تغیر ہے کہ یا تو یہ کہا جاتا تھا کہ چونکہ اسلام پردہ کا حکم دیتا ہے اس لیے جھوٹا ہے۔ اور یا یہ کہا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت ایک شخص کا ایمان بچانے کے لیے اپنی بیوی کے منہ سے ایک منٹ کے لیے بھی نقاب کیوں اتارا۔

اِسی طرح ایک ڈچ عورت جو ایک مصری سے بیاہی ہوئی ہے ہالینڈ میں مجھے ملی۔ اُس نے بتایا کہ جب پادری اعتراض کرتے ہیں کہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنا سخت ظلم ہے تو میں انہیں کہا کرتی ہوں کہ بے شرمو! تم نے تو بیوی نہیں بننا۔ بیوی تو ہم نے بننا ہے۔ تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے۔ اگر یہ ظلم ہے تو اس کی شکایت ہمیں ہونی چاہیے۔ تم تو مرد ہو تمہیں کیوں شکایت ہے۔ پھر میں کہتی ہوں کہ اسلام میں تو یہ بھی حکم ہے کہ انصاف سے کام لو۔ اگر مرد انصاف کریں تو مجھے یا کسی اَور عورت کو اِس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ وہ دو چھوڑ دس عورتیں کر لیں تمہارا کیا حق ہے کہ تم اِس پر شور مچاؤ۔ میں نے یہی واقعہ اُس کو سنایا تو وہ کہنے لگا آپ ہالینڈ کی بات کرتے ہیں۔ میں لندن میں سے دس ہزار عورت ایسی دکھا سکتا ہوں جو اس بات کے لیے تیار ہے کہ مرد اگر انصاف سے کام لیں تو بے شک وہ کئی شادیاں کر لیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اخلاق اتنے بگڑ چکے ہیں کہ اچھے خاوند میسر ہی نہیں آتے۔

اب دیکھو یہ کتنا بڑا تغیر ہے۔ جو اُن میں پیدا ہو رہا ہے۔ اِسی طرح کئی لوگ مجھے ملے جنہوں نے کہا کہ ہم نے بیس بیس تیس تیس سال سے شراب نہیں پی۔ یہ کتنا عظیم الشان انقلاب ہے

جواُن میں پیدا ہوا ہے۔ پہلے کثرتِ ازدواج پر اعتراض کیا جاتا تھا۔ اور اب کہتے ہیں کہ یہی اسلام کی بڑی خوبی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادیوں کی تعلیم دیتا ہے۔ پہلے اِس پر اعتراض تھا کہ پردہ کیوں کیا جاتا ہے اور اب اس پر اعتراض ہے کہ ساری عمر نہیں بلکہ ایک منٹ کے لیے بھی محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا پردہ کیوں اُتارا۔ غرض وہی چیزیں جو پہلے اعتراض کا موجب سمجھی جاتی تھی اب خوبی کا موجب سمجھی جانے لگی ہیں اور ان میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو ان کی تائید کرتے ہیں۔

جرمنی میں جب گورنمنٹ نے مجھے ریسیپشن (Reception) دیا تو ہمارے تمام ساتھیوں کے ساتھ ایک ایک وزیر بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ اُن کے ملک میں یہ دستور ہے کہ جو کام سب سے زیادہ اہم ہو وہ جس وزیر کے سپرد ہو اُسی کو پرائم منسٹر سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ریسیپشن (Reception) میری خاطر تھا اس لئے انہوں نے جس وزیر کو میرے ساتھ بٹھایا وہ وزیرِ تعمیرات تھا۔ پہلے تو مجھے اِس پر تعجب ہوا مگر پھر انہوں نے بتایا کہ چونکہ آج کل ہم سب سے زیادہ زور تعمیر پر خرچ کر رہے ہیں اور ہمارے ملک کی طاقت کا بیشتر حصہ تعمیرات پر صَرف ہو رہا ہے اس لیے اب وزیرِ تعمیرات ہی ہم میں سب سے بڑا وزیر سمجھا جاتا ہے۔ وہ باتوں باتوں میں پوچھنے لگے کہ جماعت کی کتنی تعداد ہے اور آپ کے کتنے مشن اِس وقت قائم ہیں؟ جب انہیں بتایا گیا کہ ہماری اتنی تعداد ہے اور اِس قدر مشن ہیں تو انہوں نے تعجب کے ساتھ کہا کہ جماعت اس سے زیادہ مشن کیوں نہیں کھولتی؟ میں نے انہیں بتایا کہ اب ہمارا ارادہ ہے کہ اپنے مشنوں کو بڑھائیں اور اس بارہ میں جلد کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔ غرض جرمنی میں اسلام کی اشاعت کا ایک وسیع میدان پایا جاتا ہے اور اُن میں اسلام کی طرف رغبت اور شوق کا احساس نظر آتا ہے۔

سپین کا مبلغ جب تبلیغی کانفرنس میں شامل ہونے کے لیے لندن آیا تو اُس نے بتایا کے سپین سے آتے وقت جرمنی کے ایمبیسیڈر (Ambassader) سے میں ملنے گیا تھا۔ وہ جرمن بادشاہ وِل ہیلم (wilhelm) کے خاندان میں سے ہے۔ میں نے اُسے بتایا کہ ہماری جماعت کے ہیڈ انگلستان آئے ہوئے ہیں اور وہاں ایک تبلیغی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس میں شمولیت کے لیے میں جا رہا ہوں۔ وہ کہنے لگا کہ میرا بھی ایک پیغام اُن کے نام لیتے جاؤ۔ میری طرف سے انہیں کہنا کہ

جرمن لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں، آپ جلدی کیوں نہیں کرتے؟ وہاں اپنا تبلیغی مشن کھولیں۔ ہمارا ملک اِس وقت روحانی لحاظ سے پیاسا ہے مگر اسے کوئی رستہ نظر نہیں آتا۔ آپ وہاں جائیں اور اپنی باتیں پہنچائیں۔ ہمارا ملک آپ کی باتیں ماننے کے لیے تیار ہے۔

غرض لوگوں کے اندر سچائی کو قبول کرنے کا مادہ پایا جاتا ہے۔ضرورت اِس امر کی ہے کہ دوست قربانی کریں اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ جرمنی کے ایک شہر کی جماعت نے کہا کہ اگر ہمیں مبلغ مل جائے اور مسجد کے لیے زمین خرید کر دے دی جائے تو ہم امید کرتے ہیں کہ اگلے چھ ماہ میں کئی سَو احمدی مسلمان اِس شہر میں پیدا ہو جائیں گے۔ اور ایک دو سال میں ہزار دو ہزار ہو جائیں گے۔ وہاں ایک احمدی عرب موجود تھا۔ انہوں نے کہا کہ فی الحال اِس کو یہاں مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے اُس کو وہاں مقرر کر دیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ زمین کے لیے کتنی رقم کی ضرورت ہے؟ میں اپنے ملک پر قیاس کر کے سمجھتا تھا کہ وہ پچاس ساٹھ ہزار روپیہ مانگیں گے مگر انہوں نے کہا کہ ہمیں صرف دو ہزار مارک دے دیں۔ میں نے کہا کہ یہ دو ہزار مارک تو میں اپنی جیب سے بھی دے دوں گا۔تم اس کے متعلق تسلی رکھو۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ عمارت کے لیے کتنا روپیہ لو گے؟ وہ فوراً بول اٹھے کہ عمارت کے لیے ہم آپ سے ایک پیسہ بھی نہیں لیں گے۔ سارا کام ہم اپنے ہاتھ سے کریں گے۔ آپ ہمیں صرف دو ہزار مارک دے دیں تا کہ ہم زمین خرید لیں۔اس کے بعد اس پر عمارت ہم خود بنا لیں گے۔ یہ چیز ایسی ہے جو سارے جرمنی میں پائی جاتی ہے۔

قاضی فیملی کے ایک نوجوان جو قاضی محمد اسلم صاحب کے بھتیجے ہیں وہاں تعلیم کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ میں نے اُن کے پاس جرمن قوم کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ بڑے محنتی ہیں۔ وہ کہنے لگے میں ابھی جرمنی سے آ رہا ہوں۔ وہاں مَیں جس مکان میں رہتا تھا اُس کی کھڑکی سے میں روزانہ یہ نظارہ دیکھتا تھا کہ سامنے ایک بلڈنگ گری پڑی ہے وہ اُسے بنانے کے لیے اکٹھے ہو جاتے اور دوسرے دن شام کو میں دیکھتا تو وہ چھتوں تک پہنچی ہوئی ہوتی۔ اور یہ سارا کام محلّہ والے بغیر ایک پیسہ مزدوری لئے کرتے تھے۔ میں نے خود ہیمبرگ دیکھا۔ وہاں چودہ لاکھ کی آبادی ہے اور امیرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ رہنے والے لوگ ہیں۔مگر ایک عمارت بھی مجھے ٹوٹی ہوئی نظر نہیں آئی۔اس

کے مقابلہ میں انگلستان میں بمباری سے صرف چند ہزار مکان ٹوٹا تھا مگر اب بھی وہ اُسی طرح گرا پڑا ہے۔

پھر ان کی ہمتیں ایسی بلند ہیں کہ ایک جرمن ڈاکٹر سے میں نے وقت مقرر کیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ جگہ جو ہسپتال کی یونیورسٹی تھی وہاں بم گرنے کی وجہ سے اِس مسجد کے برابر شگاف پڑے ہوئے تھے اور اندر صرف دو ٹوٹی ہوئی کرسیاں اور ایک ردّی سی چارپائی رکھی تھی اور اُنہی ٹوٹی ہوئی کرسیوں پر ہسپتال میں کام کرنے والے ڈاکٹر کام کر رہے تھے۔ میں جب گیا تو ایک ادنیٰ سی کرسی پر انہوں نے مجھے بھی بٹھا دیا۔ مگر اُن کے چہروں پر اِس قدر بشاشت تھی کہ وہ رپورٹ پڑھتے جاتے اور ہنستے جاتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُن کے ہاں کوئی شادی کی تقریب ہے۔ جس ڈاکٹر نے میرا معائنہ کرنا تھا وہ اُس وقت ایک سو پینتیس میل دُور کسی اَور مقام پر کسی ضروری آپریشن کے لیے گیا ہوا تھا۔ اور چونکہ میرے ساتھ وقت مقرر تھا اس لیے وہ وہاں سے موٹر دوڑاتے ہوئے پہنچا اور کمرہ میں آتے ہی بغیر سانس لیے اُس نے میرا معائنہ شروع کر دیا۔ اگر کوئی ہمارا آدمی ایسے موقع پر آتا تو وہ پہلے یہی کہتا کہ "ساہ تے لین دیو" یعنی پہلے مجھے سانس تو لینے دو پھر میں معائنہ بھی کرتا ہوں۔ مگر اُس نے بغیر سانس لئے میرا معائنہ شروع کر دیا اور پھر جب ہم نے اُسے فیس دینا چاہی تو اُس نے فیس لینے سے انکار کر دیا۔ دوسری دفعہ ہم نے اُس کے سیکرٹری سے کہا کہ فیس لے لی جائے۔ اُس نے فون کیا تو جرمن ڈاکٹر نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ میں ایک دفعہ جو کہہ چکا ہوں کہ میں نے فیس نہیں لینی!! اس کے بعد ہم نے اپنے جرمنی کے مبلغ سے کہا کہ تم اُسے جا کر کہو کہ ہم اِتنی دور سے یہاں علاج کرانے کے لیے ہی آئے ہیں اس لیے آپ اپنی فیس لے لیں۔ مگر اُس نے پھر یہی کہا کہ یہ مذہبی آدمی ہیں اس لیے میں نے ان سے فیس نہیں لینی۔ پندرہ بیس منٹ اُس کے ساتھ جھگڑا رہا مگر اُس نے فیس نہیں لی۔

غرض اُن کے اندر اِس قدر جوش پایا جاتا ہے اور اِس قدر ہمت اور کام کرنے کی روح پائی جاتی ہے کہ ہر شخص کی حالت کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ یہ ارادہ کر کے بیٹھا ہے کہ وہ دنیا میں کچھ نہ کچھ کام کر کے رہے گا۔ اُن کے مقابلہ میں ہمیں اپنے ملک کی حالت کا قیاس کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ وہ بھی ہمارے جیسے آدمی ہیں مگر ہماری محنت اور اُن کی محنت اور ہمارے کام

اور اُن کے کام کی آپس میں کوئی نسبت ہی نہیں۔

انگلستان ان کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے کسی زمانہ میں ہندوستانی انگریزوں کے مقابلہ میں تھے۔ انگلستان کے لوگ بالکل سُست اور نکمے ہیں۔ کام کریں گے تو ہاتھ پیچھے ڈالیں گے اور مزدوری پہلے مانگیں گے۔ ان کی حالت بالکل پرانے زمانہ کے کشمیریوں کی سی ہوگئی ہے۔ ایک دفعہ ہم کشمیر گئے اور اسباب اتارا تو ہم نے ایک مزدور کو بلایا کہ یہ سامان اٹھا کر ایک سرائے میں رکھ دو۔ اُس نے کہا میں دو پیسے فی نگ لوں گا۔ ہم نے کہا بہت اچھا! نگ اٹھاؤ اور رکھ دو، ہم تمہیں اجرت دے دیں گے۔ مگر اُس کے لالچ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر نگ کے اٹھانے سے پہلے کہتا کہ "لاؤ پونسہ" اور جب تک اُسے دو پیسے نہ دے دیئے جاتے وہ نگ نہ اٹھاتا۔ میری اُس وقت چھوٹی عمر تھی۔ میر محمد اسحٰق صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ ہم نے اُس کے ساتھ مذاق شروع کر دیا۔ ایک ایک چیز پر ہم پیسے دیتے اور وہ اٹھا کر اندر رکھ دیتا۔ جب ہم سرائے کے برآمدہ میں داخل ہوئے تو برآمدہ کے ساتھ ہم نے اپنی چھتری رکھ دی۔ اس کے بعد ہمیں مذاق سُوجھا اور ہم نے کہا کہ اب اسے کہتے ہیں کہ یہ چھتری اُٹھا کر دے دو۔ دیکھیں اب بھی کچھ مانگتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ ہم نے اُسے کہا کہ یہ چھتری ہمیں پکڑا دو۔ اِس پر وہ جھٹ کہنے لگا "لاؤ پونسہ" یہی انگریزوں کا حال ہے۔ ان کا اپنا ملک گزشتہ جنگ کے نتیجہ میں تباہ پڑا ہے مگر وہ گرے ہوئے مکانوں کو بنا نہیں سکے۔ اور جرمنی کی یہ حالت ہے کہ وہ لوگ صبح سے شام تک کام کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی ساری عمارتیں دوبارہ کھڑی کر لی ہیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان ملکوں میں اسلام کی طرف رغبت پیدا کر دی ہے۔ اب ہمیں اُن کی اِس رغبت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ فصل تو تیار ہے صرف اس کے کاٹنے والے چاہئیں۔ اگر تم اِس فصل کے کاٹنے والے بن جاؤ تو تم دیکھو گے کہ سارا یورپ ایک دن اسلام کی آغوش میں آ جائے گا۔ اِس وقت مشکل یہ ہے کہ غلہ کو سنبھالنے والا کوئی نہیں۔ مگر بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہ غلہ تمہارے لئے ہی رکھا ہوا ہے اور تم ہی اس فصل کے کاٹنے والے ہو۔ جو مسائل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی کتب میں پیش کئے تھے آج یورپین دنیا اُنہی مسائل کی طرف آ رہی ہے اور وہ اسلام کی فوقیت اور اس کی برتری کو تسلیم کر رہی ہے۔

ڈسمنڈ شا3 (Desmond Shaw) انگلستان کے بہترین مصنفوں میں سے ہے۔ کم سے کم وہ خود اپنے آپ کو ریچ۔ جی ویلز سے بھی بڑا سمجھتا ہے۔ وہ مجھے ملا تو کہنے لگا سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ امن پھیلانے والا جو نبیؐ آیا تھا اُسی کو لڑائی کرنے والا نبیؐ کہا جاتا ہے اور پادری اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ میں نے کہا تمہیں یہ نظر نہیں آتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہم لوگ ہی یورپ میں پھیلا رہے ہیں اور ہمیں ہی مسلمانوں کے نزدیک واجبُ القتل سمجھا جاتا ہے؟ وہ کہنے لگا مجھے ایک معزز مسلمان ملا تھا۔ میں نے اُس سے یہی کہا کہ اسلام پھیلانے والے تو یہی لوگ ہیں اور ہم تک اگر اسلام پہنچا ہے تو اِنہی کے ذریعہ۔ تم اِن لوگوں کی مخالفت کر کے اپنا بیڑہ کیوں غرق کر رہے ہو؟ اُن پر ہماری اسلامی خدمات کا اتنا گہرا اثر ہے کہ یہی ڈسمنڈ شا دعوتِ استقبالیہ میں مجھے ملا اور چلا گیا۔ پھر ظفر اللہ خان سے ملا اور کہنے لگا کہ میں حضرت صاحب سے ابھی نہیں ملا اور یہ کہہ کر وہ پھر میرے ملنے کے لیے آ گیا۔ اِسی طرح تین چار دفعہ ہوا۔ وہ بار بار میرے ملنے کے لیے آ جاتا۔ آج جب میں اٹھا تو اُس وقت بھی وہ میرے سامنے والی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بار بار یہی کہتا کہ میں بچپن سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا قائل ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑا نبیؐ ہوا ہے اور اس کی تعلیم پر عمل کرنے میں ہی برکت ہے۔ غرض یورپ کا مزاج اب اسلام کی طرف آ رہا ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابھی ان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو "پدرم سلطان بود" کے مطابق سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہیں اور یہ ایشائی چھوٹے ہیں۔ لیکن ان کے اعلیٰ درجہ کے طبقہ میں اب وہ لوگ بھی پیدا ہو رہے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننا بیوقوفی ہے۔ آپؐ دنیا کی طرف ایک نور اور رحمت لائے ہیں اور آپؐ کی پیروی میں ہی امن اور سلامتی ہے۔

مجھ سے ہیمبرگ میں ایک مودودی طرز کا آدمی ملا۔ وہ اپنے آپ کو عراقی کہتا تھا لیکن لوگوں نے بتایا کہ یہ ایک معجونِ مرکب کی قسم کا آدمی ہے۔ کبھی یہ اپنے آپ کو بہائی کہتا ہے اور کبھی مودودی۔ اس نے ہمیں دھوکا دیا۔ جب اُسے بتایا گیا کہ میں بیماری کی وجہ سے مل نہیں سکتا تو وہ کہنے لگا کہ میں صرف مصافحہ کرنا چاہتا ہوں مگر پھر اُس نے بحث شروع کر دی۔ آخر جرمن لوگ

اسے اٹھا کر لے گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ ہماری دعوت تھی ، اِس میں تم بغیر ہماری اجازت کے کیوں آئے ؟ ہم ابھی پولیس کو اطلاع دیتے ہیں ۔ دوسرے دن وہاں کے ایک نومسلم مجھ سے معافی مانگنے آئے ۔ اور انہوں نے کہا کہ اس شخص کی وجہ سے آپ جرمن قوم کو بُرا نہ سمجھ لیں ۔ یہ ایشیائی تھا اِس لیے اُس نے یہ غلطی کی ہے ۔ اُس وقت میری بھی ایشیائی رگ بھڑک اٹھی اور میں نے کہا کہ بُرے آدمی ایشیا میں ہی نہیں ہوتے یورپ میں بھی موجود ہیں ۔ وہ کہنے لگے بے شک موجود ہیں ۔ میں صرف یہ کہنے آیا تھا کہ آپ کے دل میں ہمارے متعلق ناراضگی پیدا نہ ہو، ہم آپ کو اپنا معزز مہمان سمجھتے ہیں ۔ اور یہ شخص جس نے غلطی کی ایشیائی تھا ۔ میں نے کہا ایشیائی تو تھا مگر اُس کی اپنی حرکات اسلامی تعلیم کے خلاف تھیں ۔ مودودی لوگ ہم کو مسلمان نہیں سمجھتے مگر اس نے خود قرآن کے خلاف عمل کیا ہے ۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اُن کے مخالف بحث کر رہے تھے کہ انہوں نے ستاروں میں دیکھا اور کہا کہ میں بیمار ہوں ۔ اور یہاں مجھے دس ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ میں بیمار ہوں ۔ مگر ابراہیمؑ کے مخالف تو اتنے شریف تھے کہ اٹھ کر چلے گئے ۔ اور اس شخص کو ڈاکٹری گواہی بھی بتائی گئی مگر پھر بھی اس نے کہا کہ میں مسئلہ حل کئے بغیر واپس نہیں جا سکتا ۔ پس اس شخص نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ مسلمان نہیں ۔ ورنہ قرآن تو کہتا ہے فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ـ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ 4 ۔ ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں بیمار ہوں اور وہ لوگ چلے گئے ۔ اور یہاں دس ڈاکٹر اعلان کرتے ہیں کہ آپ کو زیادہ بولنا نہیں چاہیے اور پھر بھی وہ بحث کرتا چلا گیا ۔ پس اس نے اپنے دعویٰ اسلام کے باوجود خود اس کے خلاف عمل کیا ۔ ایسے شخص کے کسی فعل کی وجہ سے میں آپ پر کس طرح ناراض ہو سکتا ہوں ۔

چونکہ جس جگہ میں ٹھہرا ہوا ہوں اُس کے پاس اَور بھی مکان بن رہے ہیں جن کی وجہ سے شور رہتا ہے اِس لیے آج صبح سے میرے دماغ پر اُس کا اثر ہے اور زیادہ بولنا میرے لیے مشکل ہے ۔ میں اِسی پر اپنے خطبہ کو ختم کرتا ہوں ۔ صرف اِس قدر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ شروع میں مَیں نماز میں زیادہ بھول جایا کرتا تھا مگر آہستہ آہستہ یہ نقص جاتا رہا ۔ لندن میں بھی یادداشت ٹھیک رہی ۔

مگر شور کی وجہ سے آج چونکہ دماغی پریشانی زیادہ ہے اس لیے اگر میں بھول جاؤں تو میرے پیچھے نماز پڑھنے والے مجھے یاد دلادیں۔"

(الفضل 8/اکتوبر 1955ء)

1: درثمین اُردو صفحہ 121۔ زیر عنوان نظم "مناجات اور تبلیغ حق" مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی مطبوعہ 1962ء

2: **الصحیح البخاری کتاب الاعتکاف باب هَلْ يَخْرُجُ الْمُعْتَكِف لِحَوَائِجِهٖ اِلٰى بَابِ الْمسجِد**

3: ڈسمنڈ شا:(DESMOND SHAW) یہ آئرلینڈ میں 19 جنوری 1877ء میں پیدا ہوا یہ مشہور آئرش ناول نویس اور شاعر تھا۔ 1934ء میں اس نے انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف فزیکل ریسرچ کی بنیاد رکھی۔ اس نے چند کتب تصنیف کیں۔

(The new century cyclopedia of Names Vol 1Page 1256.
Printed in U.S.A)

4: الصّٰفّٰت:90,89